ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

سیر وسیاحت کی سفارتی وثقافتی بین الاقوامی اہمیت اور فروغ کے لیے اقدامات کا جائزہ سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی

Diplomatic and Cultural International Importance of Travel and Tourism and Measures to Promote them, Guided by the Biography of the Prophet ﷺ

روبینہ شاہین

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ

ڈاکٹر عبد الغفار

صدر شعبہ علومِ اسلامیہ وڈائریکٹر سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ چیئر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ

سلمیٰ صدیق

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Islamic law has permitted travel and tourism. Islam has provided two festivals. Islam has bound travel and tourism to moral and religious limits, has given those etiquettes of travel and tourism that guarantee the welfare and well-being of humans. It has forbidden to cross those limits in travel and tourism that are harmful to humans in religious, moral, social, economic, or any other way. The festivals that are prevalent in other nations are all based on such foundations that are against the globalization of the Muslim nation or are against the belief in monotheism, that is why Islam has not accepted these festivals. Either globalization is affected by them or the belief in monotheism is affected, that is why such festivals have been given by which the belief in monotheism is also fully complete and globalization is also fully emphasized. Therefore, Muslims should avoid these un-Islamic festivals and should explain to their brothers and sisters that when they celebrate, they should celebrate within the limits of Sharia, and when they arrange any travel or tourism, they should do so in accordance with the limits of Sharia. There is both worldly good and the good of the hereafter in this.

Keywords: Islamic; Law; Permitted; Travel; Tourism

ہمارے معاشرے میں دینی تعلیم وتربیت کی کمی کی وجہ سے بہت سے معاملات میں غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ غلط فہمیاں اور الجھنیں ماضی میں پیدا نہیں ہوئیں، اس لیے کہ ماضی میں اس بات کا انتظام موجود ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہ صرف گھر سے شروع ہو، بلکہ گھر میں، بازار میں، مسجد اور مدرسے میں، دارالعلوم اور یونیورسٹی میں، کاروبار کے اداروں میں، تجارت کے مراکز میں ہر جگہ کا انتظام چوں کہ شریعت اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا، ہر شخص کا رویہ اور طرز عمل شریعت کے احکام کے مطابق تھا، اس لیے اس ماحول میں رہنے والا خود بخود دینی تعلیم اور دینی مزاج میں رنگ جاتا تھا۔ اس پر دینی تعلیم کا رنگ اتنا غالب آجاتا تھا کہ کسی دوسرے رنگ کو قبول کرنا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب گزشتہ سوڈیڑھ سال کے دور انحطاط کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم ختم ہوگیا ہے، مسلم ماحول اور معاشرے سے وہ اثرات ایک ایک کرکے ختم ہوگئے جن کی وجہ سے نئے

آنے والے افراد کی تربیت خود بخود ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے اب یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ لوگوں کہ نہ صرف جزئی مسائل کی تعلیم دی جائے بلکہ یہ کوشش بھی کی جائے کہ عمومی طور پر لوگوں کے ذہنوں کی ساخت اور سانچہ شریعت اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق تشکیل پا جائے۔

تحقیق کا بنیادی سوال:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں نہ کسی تفریح کی گنجائش ہے نہ کھیل کا تصور اور نہ کوئی خوشی منانے کی گنجائش ہے۔ اسلام میں اگر کوئی داخل ہو گیا تو اس کا کام یہ ہے کہ خشک زندگی گزارے اور ہر قسم کی مسرت، خوشی اور سیر و سیاحت کھیل سے بالکل الگ ہو کر ایک تارک الدنیا کے طور پر زندگی بسر کرے۔ یہ ایک رائے ہے جو کچھ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ افراد جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات اور نماز روزے کا نام ہے۔ نماز پڑھ لی تو گویا اللہ تعالیٰ پر بڑا احسان کر لیا۔ رمضان کے روزے رکھ لیے تو بہت بڑا احسان ہو گیا۔ اس کے بعد ہم جو جی چاہے کریں۔ ہمیں کھلی آزادی حاصل ہے تفریح کے نام پر جس مرضی قوم کی نقالی کریں، یہ ایک دوسری انتہا ہے۔ یہ دونوں انتہائیں شریعت اور سیرت رسول خاتم النبیینﷺ کے مزاج اور تقاضوں کے خلاف ہیں، شریعت و سیرت کی تعلیم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تفریح اور خوشی اور مسرت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اور اسوہ نبویؐ سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

سیر و سیاحت اور تفریح کا بین الاقوامی تصور:

اقوام عالم میں تہوار کا تصور یہ تھا کہ موسم کی تبدیلی کو نقطہ آغاز قرار دیا جائے۔ انسان تبدیلی سے خوش ہوتا ہے۔ جب تک سردی نہیں آئی ہوتی تو سردی کا منتظر رہتا ہے۔ سردی آجاتی ہے تو گرمی کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ پھر گرمی آتی ہے تو اس سے پریشان ہو کر سردی کا منتظر رہتا ہے۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ انسان کا عام مزاج ہے، اس لیے مختلف اقوام نے موسم کی تبدیلی کو ایک تہوار قرار دیا۔ قدیم ایرانیوں نے اس مقصد کے لیے نوروز مقرر کیا۔ انہوں نے ایک خاص دن کو موسم بہار کا نقطہ آغاز قرار دیا اور یہ سمجھا کہ اس دن ایک نیا پن ماحول اور کائنات میں پیدا ہوا ہے، اس لیے اسے ایک خاص انداز سے مناتے ہیں۔ کچھ اور اقوام ہیں جو سردی کی آمد کو مناتی ہیں۔ کچھ اور اقوام ہیں جو کسی خاص موسم کی آمد کو مناتی ہیں۔ کوئی گرمی کی آمد کو مناتا ہے، کوئی ہولی کے نام سے جب گرمی آتی ہے تو ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں۔ لیکن تھوڑا سا غور کریں تو کسی خاص موسم کی آمد و رفت سے کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ پھر موسم کی آمد و رفت ہر علاقے کے لیے مختلف ہو گی۔ فرض کیجیے کہ موسم کی آمد پر جشن منانا اچھی بات ہو یا کم از کم بری بات نہ ہو تو موسم کی تبدیلی ہمارے پاکستان میں فرض کیجیے فروری میں ہو گی۔ لاہور میں فروری ہی میں ہو جاتی ہے، اسلام آباد میں مارچ میں ہوتی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں اور آگے جائیں تو اپریل میں ہوتی ہے۔ مزید آگے جائیں تو جون میں ہوتی ہے۔ اور مزید آگے چلے جائیں تو پورا سال نہیں ہوتی۔ سال بھر برف باری رہتی ہے۔ ہمارے مغربی علاقوں میں چلے جائیں تو بلوچستان میں شاید جنوری ہی کے کچھ دن سردی رہتی ہو۔ یہ جغرافیائی حالات ہیں جس سے اندازہ کر لیں کہ ہر علاقے اور ہر ملک میں ایک نئے وقت میں موسم کی تبدیلی آتی ہے۔ اس لیے اگر موسم کی تبدیلی کو اسلام بطور جشن کے یا بطور تہوار کے مانتا تو یہ ایک عالم گیر برادری کے لیے قابل عمل نہ رہتا۔ ایک ایسی عالمی برادری جو دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشے میں پائی جاتی ہے، جو امریکہ سے لے کر چین تک اور سائبریا

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

سے لے کر انتہائی جنوبی علاقوں سڈنی اور کیپ ٹاؤن تک میں موجود ہو، وہ کسی ایک دن کو موسم کی تبدیلی کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتی۔ اس لیے کوئی ایسا تہوار موسم سے وابستہ نہیں ہو سکتا جو پوری امت مسلمہ کے لیے ہو۔ اسی لیے اسلام نے موسموں کی تبدیلی کے ساتھ تہوار نہیں کیے۔

بعض اقوام نے یہ دیکھا کہ ان کے ہاں دیوتاؤں کے پرانے قصے مشہور ہیں کہ فلاں دیوتا سے یا فلاں دیوی سے یا فلاں بت سے وابستہ یہ واقعہ ہے، وہ قصہ ہے۔ یہ قصے فرضی تھے یا حقیقی، انہوں نے ان کی یاد منانی چاہی اور انہوں نے ان کے نام پر تہوار مقرر کر لیے۔ اکثر و بیشتر دیوتاؤں کے تہوار مشرکانہ ہیں۔ مشرکانہ یادوں، مشرکانہ اعمال اور مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر یہ تہوار مقرر کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اولمپک گیمز کیا ہیں؟ یونانیوں میں اولمپک ایک دیوتا تھا جو کھیلوں کا دیوتا کہلاتا ہے، اس کے نام پر یہ اولمپک گیمز ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے مختلف دیوتاؤں کے ناموں پر تہوار ہوا کرتے تھے۔ یہ اکثر یونانیوں کے یا رومیوں کے تہوار ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی دیویاں وابستہ ہیں، ان کی یادیں وابستہ ہیں، ان کے ناموں سے یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں برصغیر میں رام کی لیلا ایک تہوار ہوا کرتا تھا۔ رام لیلا کا تصور سمجھنے کے لیے پہلے اسی آیت مبارکہ پر غور کریں قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ [1] ہم نے آسمان اور زمین کو کسی کھیل میں پیدا نہیں کیا۔

ہم اس آیت کا ترجمہ پہلی بار پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ کھیل میں پیدا کیا ہے۔ ہم نے تو کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب نعوذ باللہ کھیل میں پیدا کیا ہے۔ مگر ہندو مذہب کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ رام پوری کائنات کا خالق اکبر ہے، جس کی یادگار کے طور پر وہ ایودھیا میں مندر بنانا چاہتے ہیں جو اس کی جنم بھومی ہے۔ خدا ان کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوا تو وہ تنہا تھا۔ وہ اکیلے بیٹھے بیٹھے بور ہوتا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ نہایت فحش خرافات اور بے ہودہ چیزیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رام نے اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے کیا کیا؟ رام نے اپنے کھیل کود کے لیے، اپنی سیر و سیاحت کے لیے یہ پوری کائنات یہ سارا سنسار سجایا ہے۔ جب اس کا دل بھر جائے گا تو وہ اسے توڑ دے گا۔ پھر کچھ اور شروع کر دے گا، یہ ہے رام لیلا اور قرآن مجید میں اس کی تردید ہے کہ ہم نے کائنات کو کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا۔

عرب میں کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اسلام ہندوستان میں جائے گا، وہاں ایک ایسی فضول قوم ہو گی جو اس طرح کے عقائد رکھتی ہو گی جس کی تردید قرآن مجید میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ ایک موحد انسان جو خالق کائنات پر ایمان رکھتا ہو اور قرآن مجید کے نظریہ توحید کو مانتا ہو، ایک لمحے کے لیے بھی مسلمان کا مزاج اور اس کی طبع سلیم برداشت نہیں کر سکتی کہ کسی بھی کلچر کے، کسی ثقافت کے نام سے وہ رام کی لیلا میں شرکت کرے۔ اکثر و بیشتر تہواروں کا یہی حال ہے کہ وہ مختلف اقوام کے، بت پرستوں کے تہوار ہیں یا خاص واقعات جو قوموں کی تاریخ میں ہوئے ہیں، جن میں سے بیشتر واقعات کا تعلق ان کے فرسودہ عقائد اور بت پرستانہ تصورات سے ہے، ان کی یاد میں یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔

---

[1]۔ الانبیاء :۱۶

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

یہ بات کہ ہندوؤں میں مختلف چیزوں کے دیوتا ہیں، ہر شخص جانتا ہے۔ ہندو ہر اس چیز کو جو کسی طرح کا نفع یا نقصان رکھتی ہو، دیوتا مانتے ہیں۔ ان کے دیوتاؤں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔

ہندوؤں میں موسم بہار کی بھی ایک دیوی ہے۔ یہ دیوی زرد کپڑے پہن کر اترتی ہے اور ایسی جگہ اترتی ہے جہاں زیادہ زردی ہو۔ اس گھر میں زیادہ بہار آجاتی ہے۔ ہندوؤں میں اور ان سے متاثر پاکستانی مسلم معاشرہ میں ایک خاص دن ہی زرد کپڑے پہننے کا بڑا رواج ہے۔ گیندے کے زرد پھول، زرد کپڑے، زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے۔ ہم زعفران ضرور کھائیں، استعمال کریں۔ جو مرضی کریں، لیکن اگر ایک خاص دن میں ہم زعفران اس لیے استعمال کریں کہ اس کا رنگ پیلا ہے اور پیلے رنگ میں حکمت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس موسم بہار کی دیوی کو پیلا رنگ پسند ہے اور وہ اس روز اترتی ہے اور پیلا رنگ جہاں ہوتا ہے، وہاں وہ زیادہ اترتی ہے تو پھر یہ چیز ہمارے عقیدے کے خلاف ہے، اسلامی تعلیمات اور اسوہ نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔

جو مسلمان اللہ تعالیٰ واحد کو مانتا ہو اور ہر چیز اللہ کے حکم سے مانتا ہو، وہ کسی دیوی کے چڑھنے اترنے کا ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کر سکتا۔ بظاہر چیزیں ثقافتی اور کلچرل معلوم ہوتی ہیں اور کچھ لوگ سادہ لوحی میں یا زبردستی، دھونس اور دھاندلی میں اس کا کلچرل، ثقافتی یا معاشرتی پہلو سامنے رکھتے ہیں کہ موسم بہار کی آمد پر لوگ خوشی منالیں اور پتنگ اڑالیں تو آپ کا کیا نقصان ہے؟ پوری قوم کو پتنگ بازی پر لگا دیں اور پوری قوم کی ساری توجہ اس جانب لگ جائے، درجنوں آدمی اس روز مارے جائیں۔ مختلف اقوام میں تہوار کی یہ قسم بھی پائی جاتی ہے کہ کسی خاص حکمراں کو اس دن حکومت قائم کرنے کا موقع ملا، کسی خاص خاندان کو تخت نشین ہونے کا موقع ملا، کوئی خاص بادشاہ مر گیا، کوئی دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھ گیا تو اس دن سے تہوار شروع ہو گیا، اس روز کو یادگار کے طور پر منایا جانے لگا۔ یہ دنیا کی ہر قوم میں ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس طرح کے تہوار بدلتے بھی رہتے ہیں۔

یہ بھی ایک انتہا ہے۔ جب کسی فرد کو رول ماڈل بنایا جائے اور اس کی ذات کو مرکز بنایا جائے تو یہ نتائج نکلتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں آپ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات گرامی کو کسی تہوار کا موضوع قرار نہیں دیا۔ نہ آپ کے یوم پیدائش کو صحابہ کرامؓ نے تہوار بنایا، نہ اسے ہجری کیلنڈر کا آغاز قرار دیا، نہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی وفات سے کیلنڈر شروع ہوا، نہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ذاتی فعل و عمل سے ہوا۔ آپ کی شادی بھی ہوئی، آپ کی اولاد بھی ہوئی، بہت سے واقعات ہوئے، لیکن صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان میں سے کسی واقعے کو اسلامی کیلنڈر کا آغاز قرار نہیں دیا۔ خود رسول اکرم ﷺ نے بھی ان میں سے کسی واقعے کو تہوار قرار نہیں دیا۔ بعض اقوام میں تہواروں کا ایک اور سبب پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی خاص جنگ میں کسی کو کامیابی ہوئی تو اس کی یاد میں تہوار منایا جانے لگا۔ مسلمانوں کو اللہ نے بڑی کامیابیاں دیں۔ غزوۂ بدر میں بڑی کامیابی ہوئی جسے قرآن مجید نے یوم الفرقان قرار دیا ہے۔ عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ ٱلْفُرْقَانِ۔ [1] صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا [2] فتح مکہ جیسی کامیابی ہوئی، لیکن ان میں سے کسی بھی جنگ میں کامیابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا تہوار یا یادگار قرار نہیں دیا۔ صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی کی یاد نہیں منائی۔ آپ نے سیرت، تاریخ یا صحابہ کرام کی سوانح عمری میں کہیں نہیں پڑھا ہو گا کہ انہوں نے یوم بدر منایا ہو،

1- الانفال: 41
2- الفتح: 1

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

انہوں نے فتح مکہ کا دن منایا ہو، انہوں نے صلح حدیبیہ کی کامیابی کا جشن منایا ہو۔ اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مزاج سیر و سیاحت اور تہوار کے بارے میں کیا ہے؟

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کا مزاج کیسا بنایا ہے اور کس نظافت سے ان کی تربیت کی ہے۔ اس مختصر جائزہ کے بعد اسلامی تہذیب وثقافت میں سیر وسیاحت کا جو تصور ہے اس کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت میں سیر وسیاحت کا تصور:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: لکل قوم عید وھذا عیدنا۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور ہماری عیدیں یہ دو ہیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحی۔ آپ دیکھیں کہ نہ کسی بادشاہ کی تخت نشینی سے ان کا تعلق ہے، نہ کسی جنگ میں کامیابی سے تعلق ہے، نہ کسی ریاست وسلطنت کے قیام سے تعلق ہے، نہ کسی خاندان کی حکمرانی سے تعلق ہے کہ فلاں خانوادۂ شاہی کا عہد شروع ہو گیا، نہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش ووفات سے تعلق ہے۔ ان دونوں عیدوں کا تعلق دو خالص اصولوں سے ہے، دو ایسے اصول جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا ہمیشہ ممتاز ترین وصف رہے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی کا نزول، قرآن مجید کی عطا جس کے شکر میں عید الفطر منائی جاتی ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی بڑی قربانی کہ اس سے بڑی قربانی کسی انسان نے کبھی نہیں دی، اس کی یاد میں عید الاضحی منائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عزیز ترین چیز کی قربانی دینے کی جو مثال قائم ہوئی، عید الاضحی اس کی یادگار ہے۔ گویا سیر و سیاحت کا تعلق بھی اور تہوار کا تعلق بھی نظریے اور اصول کے ساتھ ہے۔

شریعت مطہرہ نے سیر و سیاحت کے جو مواقع بتائے ہیں، ان میں ذاتی مواقع، ملی اور قومی سطح کے مواقع اور علاقائی سطح پر ہر خوشی اور جائز کامیابی کے مواقع شامل ہیں جو شریعت کی حدود کے اندر ہوں۔ ان کی خوشی منانے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کا اہتمام نہ صرف جائز ہے، بلکہ قرآن مجید کے بالواسطہ اشارے کے مطابق مسنون اور بہتر ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا[1] اللہ تعالیٰ کے فضل کو یاد کر کے خوشی کا اظہار کرو، فرحت کا اظہار کرو۔ یہی سیر و سیاحت ہے۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔[2] اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا کرے، اسے بیان کرو۔

کیونکہ جب نعمت کو بیان کرو گے تو نعمت کی قدر ہو گی، ورنہ بھول جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں عطا کی ہے۔ اگر اللہ کی نعمت کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں کرو گے تو یاد نہیں رہے گا کہ اللہ نے بڑی نعمت دی تھی۔

سیر وسیاحت اور تہوار جیسا کہ میں نے عرض کیا، ایک فطری ضرورت ہے اور ہر انسان کسی خاص موقع پر خوشی منانا چاہتا ہے، لیکن اگر خوشی اور سیر وسیاحت حدود سے نکل جائے گی تو اس سے اخلاقی، معاشی، معاشرتی بہت سی قباحتیں پیدا ہوں گی۔ ایک قباحت کا ابھی ذکر ہوا۔ لاہور میں بسنت کے موقع پر چند سال پہلے 22 افراد ہلاک ہوئے اور چالیس پچاس کروڑ روپے ضائع ہوئے۔ اس طرح کا کوئی تہوار اسلام نے نہیں رکھا۔ اسلام نے تہوار اور سیر وسیاحت کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے، ایک تہوار تو وہ ہے جو ایک متعین دن منایا جائے اور ساری امت اور ساری قوم مل کر اس میں شریک ہو اور اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ یونس: 58
2۔ الضحیٰ: 11

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

لکل قوم عید وھذا اعیدنا ۔ [1] ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے،ہماری عید یہ ہے جو ہم منا رہے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں سیر وسیاحت کی حدود،شروط،تقاضے:

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات عالیہ سے جو حدود متعین ہوتی ہیں آنے والی سطور میں ذکر کی جاتی ہیں۔ 1۔ شرم وحیا: سب سے پہلی حد جو کسی سیر و سیاحت کو منانے کے لیے درکار ہے، جس کی حد سے آگے نہیں جانا چاہیے، وہ انسان کو حیا کا پابند ہونا چاہیے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں دریا کی سیر کو جاؤں۔ اچھی بات ہے، جانا چاہیے۔ وہاں خواتین بھی موجود ہوتی ہیں۔ اگر کوئی انسان کپڑے اتار کر دریا میں دوڑ لگانا شروع کر دے تو اسے کوئی پسند کرے گا؟ مشرق و مغرب کا کوئی سلیم الطبع انسان اس کو پسند نہیں کرے گا۔ دس مردوں کا کہیں اجتماع ہو، چار خواتین جا کر تیراکی کا لباس پہن کر وہاں تیرنا شروع کر دیں تو یہ اسلام کے تصور حیا کے خلاف ہے۔ حیا اور اخلاق بنیادی حد ہے جو شریعت نے مقرر کی ہے اور حیا کے آداب کی پاس داری کسی نہ کسی حد تک ہر انسان کرتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں حیا کی حد کچھ اور مقرر کروں، دوسرا حد اور مقرر کرے۔ اس پر تو بات ہو سکتی ہے کہ حیا کی حد کہاں مقرر کی جائے، لیکن حیا کی حد مقرر کرنے پر ہر انسان کا اتفاق ہے۔

2۔ سیر و سیاحت یا خوشی منانے میں اسراف اور تبذیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ خوشی منائیں، اللہ تعالیٰ نے اچھے کپڑے دیے ہیں، آپ پہنیں۔ اچھا کھانے کو دیا ہے، اچھا کھانا بھی کھائیں۔ دوستوں، رشتے داروں، عزیزوں کو، اپنے پسندیدہ لوگوں کو بلا کر گھر میں تقاریب بھی منعقد کریں۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت نے ان چیزوں سے بالکل نہیں روکا، لیکن اسراف و تبذیر سے کام نہ لیں۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا [2] اسراف و تبذیر قرآنی اصطلاحات ہیں۔ اسراف سے مراد کسی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ہے اور تبذیر سے مراد ناجائز کام میں خرچ کرنا ہے، خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ ناجائز کام میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا تبذیر ہے اور جائز کام میں اگر ایک لاکھ کی ضرورت ہے تو ایک لاکھ خرچ کرنا بھی اسراف نہیں ہے، لیکن اس صورت میں ایک لاکھ ایک روپیہ خرچ کرنا اسراف ہوگا۔ اگر ایک لاکھ میں کام ہوتا ہے تو ایک لاکھ خرچ کریں، شریعت اس سے نہیں روکتی، لیکن اس سے اوپر اگر دس روپے بھی ہوں گے تو وہ اسراف ہو جائے گا اور اس کا ہر شخص اپنے طور پر فیصلہ کرے گا۔ اس میں کوئی شخص باہر سے آپ کو نہیں بتا سکتا کہ آپ کے لیے اسراف کیا ہے۔ تبذیر کی نشان دہی ہو سکتی ہے۔ اگر کام حرام ہے تو اس میں ایک پیسہ خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔ اسراف کیا ہے؟ یہ ہر شخص کے حالات پر منحصر ہے۔ میرے لیے اسراف کچھ اور ہوگا اور آپ کے لیے کچھ اور ہوگا، کسی اور کے لیے کچھ اور ہوگا۔ اپنے حالات کے حساب سے اسراف ہوگا۔

اس سے بھی کوئی شخص اختلاف نہیں کرے گا کہ اللہ نے جو وسائل دیے ہیں، جو مال و دولت دیا ہے، اس کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ ہمارے مال و دولت کا بھی مالک ہے۔ میری جیب میں جو پیسے ہیں اور آپ کی جیب میں جو پیسے ہیں، اس کا بھی مالک ہے۔ آپ اس رقم کے امین ہیں۔ آپ اس رقم کے ٹرسٹی ہیں اور رقم کو استعمال کرنے کی اللہ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم اس کا جائز طریقے سے استعمال کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دیا ہے، وہ جائز استعمال کے لیے دیا ہے، ناجائز

1۔ بخاری ، ابو عبداللہ ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ،کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب، دار السلام للطبع والنشر، الریاض، 1999ء، حدیث3931

2۔ الاسراء: 26

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
Vol.03 No.01 (2025)

استعمال کے لیے نہیں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ کہے کہ میری دی ہوئی دولت کو کہاں استعمال کرو اور کہاں استعمال نہ کرو۔ یہ حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی کہ جائز خوشی اور مسرت کے جو بھی جائز مواقع و وسائل موجود ہیں بغیر اسراف کے، بغیر تبذیر کے، بغیر اخلاقی، انسانی اور شرعی حدود کو توڑے جو بھی طریقہ ہو، اس کو اختیار کر سکتے ہیں، چنانچہ بتایا گیا کہ بہترین کپڑے جو انسان کے پاس موجود ہوں، ان کو پہنے، تحفے اور ہدیے کا تبادلہ کرے۔ دوست احباب کو گھر بلانا، تحائف کا تبادلہ کرنا خود آپ ﷺ کی تلقین ہے:

(تهادوا تحابوا)۔[2] "آپس میں تحفہ دو تو محبت بڑھتی ہے۔"

ایک دوسرے کو گھروں میں بلاؤ، ایک دوسرے کی خدمت میں ہدیہ پیش کرو، چاہے کوئی معمولی چیز ہو۔ ضروری نہیں کہ کوئی قیمتی چیز ہی ہدیہ میں پیش کی جائے تو محبت بڑھتی ہے اور معمولی ہو تو نہیں بڑھتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لا تحقرن جارة لجارتها ولو بفرسن شاة ۔[3]

یہاں نون تاکید ثقیلہ ہے جس میں زیادہ تاکید ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی یا اردو میں نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ایسے الفاظ اردو یا انگریزی میں موجود نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کے ہدیے کو حقیر نہ جانے۔ اگر ایک بکری کا کھر بھی تحفے میں آئے تو اس کی قدر کرنی چاہیے، اس کو ہدیہ سمجھنا چاہیے، اسے قبول کرنا چاہیے، اس لیے کہ اگر قدر جذبے کی ہے تو جذبے میں قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ قیمت اس گلاس کی پچاس روپے ہے یا وہ دو روپے کا مٹی کا پیالہ ہے، اگر کسی نے محبت سے پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کیا ہے تو اصل قدر اس محبت اور جذبے کی ہے اور اس احساس کی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ کو وہ چیز پیش کرے، آپ کے ساتھ شیئر (Share) کرے۔ وہ ایک لاکھ روپے کی ہو، ایک روپے کی ہو، ایک پیسے کی ہو، دو پیسے کی ہو۔ اس لیے انسان کے جو بھی وسائل ہیں، کم ہیں یا زیادہ ہیں، اس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہدیے کا تبادلہ کرنا سیر و سیاحت کا ایک حصہ ہے اور خوشی و مسرت کے اظہار کا اسلامی اور دینی طریقہ ہے۔

بعض مواقع ایسے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ خاندان میں یہ سیر و سیاحت کا موقع ہوتا ہے۔ شادی ہوتی ہے تو لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، گھر میں جمع ہوتے ہیں، لیکن جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے اظہار کی تلقین فرمائی، وہاں اس میں ایک بڑے رجحان کو آپؐ نے روکا۔ بڑا رجحان ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایک دھوکہ ہوتا ہے کہ جی، ایک ہی بیٹا ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ ارمان بھی نکالنے ہیں اور ہر چیز کا جنازہ بھی نکالنا ہے۔ سب اکھڑ جاتا ہے، سب ختم ہو جاتا ہے کہ جی، ایک بچہ ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ خاص طور پر بوڑھے لوگوں کا یہ خیال، نانی دادی ہوں کہ جی ہمارا ایک ہی پوتا تو ہے، اس

---

1. ابو الحسن علی ندوی، سید، اسلامی تہذیب و ثقافت، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2014ء، ص 46
2. طبرانی، المعجم الاوسط، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1436ھ، 254/5، رقم الحدیث 7240
3. مسلم بن حجاج، صحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل، دار السلام للطبع والنشر، الریاض، 1999ء، حدیث 2376

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
Vol.03 No.01 (2025)

کے بعد کیا ہے۔ اس میں جو بھی راز ہے، سب ظاہر ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے طرز عمل سے اپنے صحابہ کرامؓ کی تربیت سے مثالیں پیش کیں۔

صحابہ کرامؓ میں سے اول درجہ کس کا ہے؟ عشرہ مبشرہ کا ہے۔ دس وہ صحابہ کرامؓ جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی گئی اور ان صحابہ کا جن کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لیے نامزد کیا کہ یہ چھ آدمی میرے جانشین ہو سکتے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو ہجرت حبشہ کے موقع پر چند سرداروں میں سے بنا کر بھیجے گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ آپ اس زمانے کا تھوڑا تصور ذہن میں لائیں۔ تیرہ سال اپنے گھر میں اپنے وطن میں Persecute ہو رہے ہیں اور پریشان کیا جا رہا ہے، کچلا جا رہا ہے۔ پھر ایک ٹھکانہ مل جاتا ہے، سب گھر بار چھوڑتے ہیں۔ کسی نے کاروبار چھوڑا، کسی نے جائیداد چھوڑی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ کے لکھ پتی آدمی تھے، صف اول کے پیسے والوں میں تھے۔ سب کاروبار چھوڑ کر تن تنہا مدینہ چلے آئے۔ وہاں جا کر ایک انصاری صحابی کے گھر میں بیٹھ گئے۔ اس صحابی نے کہا کہ میری زمین ہے، آدھی لے لو، کچھ یہ کرو، وہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ دو چار دن بازار میں پھرے، کاروبار کیا۔ اللہ نے صلاحیت دی تھی، کاروبار شروع کر دیا۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ چند دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے۔ ایک دن آئے تو ذرا نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، خوشبو لگی ہوئی تھی اور مہندی کا نشان شاید ہاتھ یا پاؤں میں یا جہاں بھی ہو گا، دکھائی دے رہا تھا۔ اثر صفرۃ (زردی کا نشان) کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، کیا بات ہے عبدالرحمن؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں نے شادی کر لی ہے۔ اب آپ ﷺ کو نہ صرف بلایا نہیں بلکہ بتایا بھی نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں کہ اچھا تنی طوطا چشمی، اتنی بے وفائی کہ یہاں آکر میں نے سارا ٹھکانا دیا، میں لے کر آیا، میں نے لوگوں کے یہاں ٹھہرایا، مواخات کرائی، میرے کہنے پر لوگوں نے کاروبار میں شریک کیا اور ہمیں پوچھا بھی نہیں۔ آج اگر یہ ہو تو ری ایکشن ہو گا کہ اچھا جی، کاروبار میں اتنے مگن ہوئے کہ ہمیں بھول ہی گئے، لیکن رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے کچھ نہیں کہا۔ نہ انہوں نے محسوس کیا کہ بلانا ضروری ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا۔ آپ ؐ نے فرمایا:

اولم ولو بشاۃ۔[1] ولیمہ ضرور کرنا، خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

خوشی کا حکم دیا کہ اس کو Celebrate کرو، خوشی مناؤ، چاہے ایک بکری ذبح کر لو۔ اس واقعے پر جتنا غور کریں، اسلام میں شریعت کی ساری حدود سامنے آتی ہیں۔ اعتدال اور توازن کہ جتنے وسائل ہیں، ان کے اندر رہو، غیر ضروری طور پر اس کو مت پھیلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس ایک بکری ذبح کر لو اور اس ایک بکری میں جتنے لوگوں کو شریک کر سکتے ہو، کرو۔ ولیمے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ دعوت کرو، لوگوں کو بلاؤ۔ اس میں بعض اوقات لوگوں کے وسائل ہوتے ہیں، بعض اوقات نہیں ہوتے۔ اگر اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ عبدالرحمن! مجھے بھول گئے، مجھے نہیں بلایا تو یہ

---

[1]۔ ابوداؤد ، سلیمان بن ا لشعث، سنن کتاب التفسیر، دار السلام للطبع والنشر، الریاض، 1999ء،حدیث 2109

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہ ہوتی، اس لیے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا کہ اپنے دینی قائد کو اپنی تقریب میں بلاؤ، یہ بلانا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ اب کون مسلمان ایسا ہوتا مدینہ میں، مکے میں، اس کے قرب وجوار میں جس کے ہاں شادی ہوتی، تقریب ہوتی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلاتا؟ ہر ایک بلاتا۔ کسی کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے جتنے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے پاس تھے، کسی کے ہاں پانی پلانے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی نہ ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی لفظ بغیر وحی کے نکلتا ہی نہیں۔

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾[1]

تو یہ بھی نہیں کہا کہ بلایا کیوں نہیں۔ اتنا کہنے سے بھی ایک طریقہ ایسا قائم ہو جاتا کہ آئندہ آنے والوں کے لیے اس لفظ سے بھی مشکلات پیدا ہو جاتیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں فرمایا۔

3۔ تیسری بنیادی حد یہ ہے کہ شریعت کے جو بنیادی مقاصد ہیں، وہ نظر انداز نہ ہوں۔ شریعت کے جو اہم Objectives ہیں، ان کو اگر نظر انداز کر کے سیر وسیاحت کی جائے تو وہ سیر وسیاحت شریعت کی حدود سے متجاوز ہے۔ اسلام نے انسان کو کائنات کے اندر سب سے اونچا مقام دیا ہے۔ اتنا اونچا مقام دیا ہے کہ خالق کائنات کے بعد سب سے اونچا مقام انسان کا ہے۔ انسان جسمانی طور پر تو بہت چھوٹی مخلوق ہے۔ آپ پوری کائنات میں ذرا غور کریں تو ہماری حیثیت وہ بھی نہیں ہے جو سمندر کے کنارے پر پڑے ریت کے کسی ذرے کی ہوتی ہے۔ جسمانی طور پر ہماری حیثیت وہ بھی نہیں، لیکن اللہ نے قوت بے شمار رکھی ہے، صلاحیتیں بے شمار دی ہیں۔ آزادی اور فیصلے کی نعمت سے نوازا ہے، اچھے اور برے کی تمیز کی صلاحیت دی ہے۔ یہ باقی مخلوقات کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کا درجہ اللہ نے اپنے بعد سب سے اونچا رکھا ہے۔ باقی ساری مخلوقات اس کے نیچے ہیں۔ یہ سب مخلوقات سے اوپر ہے اور خالق کائنات سے نیچے۔ ظاہر ہے جب درجہ اتنا اونچا ہے تو مقاصد بھی اتنے اونچے ہیں۔ خلافت ارضی سے اس کو نوازا ہے۔ خالق کائنات کی مرضی سے زندگی گزارنے کا یہ پابند ہے۔ اس کی مرضی کا عملی ترجمان بن کر اس کو دکھانا ہے کہ خالق کائنات جس طرح کا انسان چاہتا ہے، اس طرح کا انسان بنا ہے اور پھر دوسروں کے لیے اس کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ جو حیثیت پیغمبر کی اپنی قوم میں ہوتی ہے، وہ حیثیت امت مسلمہ کی بقیہ اقوام میں ہے۔ یہ آپ نے قرآن پاک میں پڑھا ہو گا کہ:

﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾[2]

"تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے"۔ یعنی جو Relationship کی نوعیت تمہاری اور پیغمبر کی ہے، وہی نوعیت تمہاری اور بقیہ انسانوں کی ہے۔ اب اتنے اونچے مقام کو چھوڑ کر آپ نے سیر وسیاحت کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں یہ سب بھول جائیں کہ آپ کس کام کے لیے آئے تھے، کس کام کے لیے بھیجے گئے تھے تو یہ چیز ایک عام عقل کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے بھی خلاف ہے۔ مثال کے طور پر نماز سب سے بڑا مقصد ہے۔ قیامت کے دن اس میں سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہو گا۔ اب کوئی ایسی تفریح جس میں یہ پتا نہ چلے کہ نماز کب آئی، کب گئی، یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، یہ جائز نہیں۔

1۔ النجم: ۳۔۴
2۔ البقرۃ: ۱۴۳

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
Vol.03 No.01 (2025)

یہ تین بنیادی شرطیں ہیں جو شریعت نے سیر وسیاحت کے لیے رکھی ہیں۔ اسراف و تبذیر سے اجتناب ہو، حیا کے حدود کے مطابق ہو، مقاصد شریعت سے تجاوز اور تجاہل نہ کیا جائے۔ ان حدود کے اندر جو سیر وسیاحت بھی ہوگی، وہ جائز ہے، بغیر کسی ردوقدح کے آپ اسے جائز سمجھیں۔ ہم میں سے بہت سے حضرات کے مزاج میں شدت اور تیزی ہوتی ہے۔ بعض لوگ خالص دینی جذبے سے، کسی برے جذبے سے نہیں، دینی ومذہبی جذبے سے ہر جائز چیز کو بھی ناجائز کہنے لگتے ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو اپنے فرائض کا احساس اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان کو ہر سیر وسیاحت بھول جاتی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن توازن کے خلاف ہے۔ جن کو آخرت کے امتحان کا احساس اتنا تازہ رہے کہ وہ ہر سیر وسیاحت کو بھول جائیں، لیکن شریعت کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کا ذہنی رویہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ اگر کسی کا رہتا ہے تو اچھی بات ہے۔ ہر شخص کا رویہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی یادداشت میں امتحان تازہ ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔

حضرت حنظلہؓ کا مشہور واقعہ ہے:

(عن حنظلة الاسيدي وكان من كتاب النبي صلى الله عليه وسلم: "انه مر بابي بكر وهو يبكي، فقال: مالك ياحنظلة؟ قال: نافق حنظلة يا ابا بكر نكون عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكرنا بالنار والجنة كانا راي عين فإذا رجعنا إلى الازواج والضيعة نسينا كثيرا، قال: فوالله إنا لكذلك انطلق بنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فانطلقنا فلما رآه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مالك ياحنظلة؟ قال: نافق حنظلة يا رسول الله نكون عندك تذكرنا بالنار والجنة كانا راي عين فإذا رجعنا عافسنا الازواج والضيعة ونسينا كثيرا، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو تدومون على الحال الذي تقومون بها من عندي لصافحتكم الملائكة۔)[1]

"حضرت حنظلہؓ پریشانی میں تیز تیز تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے، پوچھا کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ پوچھا، اچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی سامنے ہے، جنت بھی سامنے ہے، دوزخ بھی سامنے ہے۔ کوئی چیز یاد نہیں آتی، صرف اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ جب واپس جاتا ہوں، کاروبار میں، تجارت میں، باغ میں، گھر میں تو وہ کیفیت نہیں رہتی تو یہ تو نفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور آپ کے پیچھے کچھ اور۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ کیفیت تو میری بھی ہوتی ہے۔ اگر یہ نفاق ہے تو بہت بری بات ہے۔ چلیں، پوچھتے ہیں۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! یہ مسئلہ ہے۔ آپ نے تسلی دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا، یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ کبھی یہ کیفیت اگر رہے جو تم بتا رہے ہو تو فرشتے آپ کے ہاتھ چومنے لگیں۔"

1۔ ترمذی ، ابو عیسی، محمد بن عیسیٰ ، الجامع ، کتاب صفة القيامة، باب الورع، دار السلام للطبع والنشر، الرياض، 1999ء،حديث 2514

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ چیز مطلوب نہیں کہ ہر وقت آپ پر یہ کیفیت طاری رہے اور نہ ایسا ہوتا ہے۔ اگر کسی پر طاری رہتی ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے، اس کا معاملہ خالص اللہ کے ساتھ ہے، لیکن بقیہ انسان ایسے ہیں کہ ان میں جب سیر و سیاحت کا جذبہ پیدا ہو تو تفریح بھی کریں۔ اس لیے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ حضرات ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرز عمل کو جو انہوں نے اختیار کیا ہے، جو انتہائی استثنائی ہے، وہ ہر شخص اختیار کرے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ہر شخص سیر و سیاحت بھی چاہتا ہے، ہر شخص کے بعض اور تقاضے ہیں، وہ ان کو بھی پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے جسمانی تقاضے بھی ہیں، مادی اور اقتصادی ہر قسم کے تقاضے ہیں، ان کے درمیان توازن ہونا چاہیے۔ توازن اور اعتدال کے بغیر شگفتگی ہو ہی نہیں سکتی۔ شگفتگی اعتدال کا لازمی تقاضا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر پر تشریف لے گئے۔

(عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللہ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ: فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي۔)[1]

"حضرت عائشہؓ کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگے تو دیکھا کہ کچھ نوجوان دوڑ لگا رہے ہیں اور مقابلہ کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ دوڑ کا مقابلہ کریں؟ آپ نے کہا چلو۔ مقابلہ کیا، دوڑ لگائی۔"

یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر کم ۵۷، ۵۸ سے کم نہیں تھی اور دنیاوی اعتبار سے آپ دیکھیں کہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار کے کم از کم ایک تہائی پر آپ کی حکومت تھی اور آپ کے پیروکاروں کی تعداد، جو اپنی زندگی کا محور و مرکز آپ کو مانتے تھے، اگر لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور تھی۔ اس اعتبار سے دیکھیں کہ ایک معمولی مسجد کا مولوی، ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر، ایک کلاس کا ٹیچر اس طرح کرنے لگے تو سمجھتا ہے کہ میرا بھرم ختم ہو جائے گا اور لوگ کیا کہیں گے۔ میری ایک پہچان ہے یعنی Dignity پچاس چیزیں آدمی سوچتا ہے، ایک تصنع کا ہالہ اپنے اوپر طاری کر دیتا ہے۔ لیکن یہ فطرت کے خلاف ہے، گھر والوں کے ساتھ ایک بے تکلفی کا تعلق ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو دوڑ لگاتے ہیں۔ آپ نے دوڑ لگائی۔ سیدہ عائشہؓ کا بدن ہلکا تھا، عمر بھی کم تھی، وہ آگے نکل گئیں اور کہا کہ دیکھا، ہرا دیا! اس کے کچھ عرصے بعد پھر ایک مرتبہ سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ پھر ایسے موقع پر دیکھا کہ لوگ دوڑ لگا رہے ہیں تو کہا کہ آؤ دوڑ لگائیں۔ اب سیدہ عائشہؓ سے رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ آگے نکل گئے تو آپ نے فرمایا: ھذہ بتلک۔ یہ اس دن کا بدلہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں حس مزاح (Humor) بھی رکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حس مزاح تو ضرب المثل ہے۔ رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ امام ترمذیؒ کی بڑی اچھی کتاب شمائل ترمذی ہے جس کا اردو اور انگریزی ترجمہ دستیاب ہے اور کئی ایک لوگوں نے کیا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت کے بارے میں، آپ کے حلیہ مبارک، لباس، عادات، خصائل کے بارے میں بڑی معلومات جمع کی ہیں اور ایک بڑے مستند ترین محدث وقت کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس میں جتنے اقوال و واقعات جمع کیے گئے ہیں، بڑے مستند ہیں۔ اگر آپ مدینہ منورہ کے دس سال بلکہ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال دیکھیں تو یہ انتہائی مشکلات کا زمانہ ہے۔ مشکلات اور بحران کے جو بھی پہلو آپ کے ذہن میں آتے ہیں، کسی

---

[1]۔ ابو داؤد، السنن، کتاب المسافر، حدیث 3251

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

علاقے میں ہنگامی حالات کے جو بھی اسباب آپ کے ذہن میں آتے ہیں، وہ سارے کے سارے بیک وقت موجود تھے کہ چاروں طرف سے دشمن حملہ آور ہے، ہر تین چار مہینے بعد حملہ ہو رہا ہے، ہر تین چار ماہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوج لے کر نکلنا پڑتا ہے اور اوسطاً ہر چار ماہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باہر فوج لے گئے ہیں، دفاع کرنے یا فتنے یا خطرے کا سدباب کرنے کے لیے۔ کبھی باہر سے کوئی سازش ہو رہی ہے، رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کوئی آ رہا ہے، کچھ لوگ آپ کو شہید کرنے آ رہے ہیں، لیکن ان سارے ہنگامی حالات اور خطرات کے باوجود آپ کی جو حس مزاح ہے، وہ اسی طرح موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شخص توازن اور اعتدال کی معراج پر بیٹھا ہوا ہے کہ اس سے اوپر توازن اور اعتدال کا تصور انسان کے ذہن میں نہیں آتا۔ بعض اوقات بچوں سے گفتگو ہو رہی ہے۔ بچے دوڑ لگا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوڑ لگا رہے ہیں۔ کبھی صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں جا کر دیکھا کہ شعر و شاعری ہو رہی ہے تو رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعر و شاعری سننی شروع کر دی۔ کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ یہ کیا لغو حرکت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ہم آ گئے ہیں، تب بھی شعر و شاعری ہو رہی ہے! آپ بھی شعر سن رہے ہیں، لیکن اگر اس میں کوئی بات شریعت کے خلاف ہو گئی تو آپ نے فوراً منع کر دیا کہ یہ ٹھیک نہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شادی میں تشریف لے گئے تو وہاں دیکھا کہ لوگ خوشی منا رہے ہیں، بچیاں خوشی مناتے ڈھولک پر گا رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک بچی نے گاتے گاتے ایک جملہ کہا کہ: "وفینا نبی یعلم ما فی غد۔ اور ہم میں ایک نبی بھی ہیں جو کل کا حال جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں نہیں، یہ بات مت کہو۔ کل کا حال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"[1]

عید الاضحی کے موقع پر قربانی کا حکم دیا۔ اس میں آپ دیکھیں توازن کیا ہے۔ ایک تہائی اپنے لیے رکھو، ایک تہائی دوست احباب کو بھیجو اور ایک تہائی آس پاس کے جو ضرورت مند ہوں، نادار ہوں، چاہے دوستی رشتے داری نہ ہو، ان کو بھیجو۔ تو آپ دیکھیں کہ تینوں یکساں سطح پر ہیں۔ اپنی ذات بھی، دوست احباب بھی اور شہر کے نادار اور کمزور لوگ بھی۔ یہ خوشی کے موقعے پر اجتماعیت پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سیر و سیاحت جس سے طبقاتیت کو فروغ ملے، اسلام کے مزاج کے خلاف ہے اور وہ سیر و سیاحت جس سے طبقات ہم آہنگ ہوں، مسلمانوں میں ہم آہنگی پیدا ہو، بستی میں یکجہتی پیدا ہو، وہ سیر و سیاحت اسلام کے تصور کے مطابق ہے، اسلام کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ تو ثقافتی چیز ہے، اس کا اسلام سے کیا تعلق؟ یہ بات کہ یہ ثقافتی چیز ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ بڑی غلط چیز ہے۔ اسلام کا ہر چیز سے تعلق ہے۔ اسلام تو ہر چیز کے بارے میں راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ثقافت کے بارے میں بھی کرتا ہے۔ اگر ثقافت میں کوئی ایسی چیز ہے جو مشرکانہ اور کافرانہ پس منظر رکھتی ہے، جیسا کہ میں نے مثالیں دیں کہ پیلے رنگ میں ویسے تو کچھ نہیں ہے، لیکن اگر پیلے رنگ میں یہ عقیدہ ہو کہ اس میں دیوی اترتی ہے، لہٰذا مجھے پیلے رنگ کے کپڑے پہننے ہیں تو پیلے رنگ میں بہت کچھ ہے۔ اگر ویسے ہی کسی کو پیلا رنگ اچھا لگتا ہے اور وہ بسنت کے علاوہ بھی پیلے رنگ کے کپڑے پہنتا ہے یا پہنتی ہے تو مجھے

---

[1]۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، 4001

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر بسنت کے ہی دن پیلا رنگ پسند آتا ہے، اور کسی دن پسند نہیں آتا پھر معلوم ہوتا ہے کہ بات محض پسند کی بات نہیں، کچھ اور ہے۔ اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مقامی ثقافت ہے، اس کا جو مظہر ہے جس کو آپ کہتے ہیں کہ محض ثقافتی چیز ہے، وہ کیا ہے؟ اگر اس کے پیچھے محض کسی قوم کا رواج ہے، اس کے پیچھے کسی غیر مذہب کا کوئی عقیدہ نہیں ہے، اس کے پیچھے کوئی مشرکانہ، جاہلانہ اور کافرانہ تصور نہیں ہے تو اس ثقافت کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس طرح کی ثقافت ظاہر ہے، ہر قوم میں الگ الگ ہوتی ہے۔ اسلام اس کو پسند کرتا ہے، مسلمانوں نے کبھی اس کو ختم نہیں کیا۔ یہ ثقافتیں آج تک چلی آرہی ہیں۔ اسلام جس علاقے تک گیا، وہاں کے رسم ورواج کو صحابہ کرامؓ نے بھی اختیار کیا۔ کبھی کسی صحابی یا تابعی نے نہیں کہا کہ اہل شام، تم فلاں قسم کا کھانا بند کر دو اور ہمارے جیسا کھانا کھانا شروع کر دو یا ہمارے جیسا لباس اپنالو۔ لباس الگ الگ رہے۔ اہل شام کا الگ تھا، سینٹرل ایشیا والوں کا الگ تھا، اب بھی الگ ہے۔ جزیرہ عرب والوں کا الگ تھا، ایرانیوں کا الگ تھا۔ اس میں اگر کوئی چیز شریعت کے خلاف تھی تو اس کی نشان دہی کر دی گئی کہ یہ حصہ شریعت کے خلاف ہے۔ مثلاً مرد ریشم پہنتے ہیں، یہ درست نہیں ہے یا آپ کا لباس مکمل طور پر ساتر نہیں ہے تو ستر کا تقاضا ہے کہ اسے پورا کریں۔ اس طرح ضروری تبدیلی تو ہوتی رہی، لیکن اس طرح کی مقامی روایات کو جو شریعت کے متصادم نہیں تھیں، کبھی کسی نے ختم نہیں کیا، بلکہ ان کو اختیار کیا اور ان کو ترقی دی (Promote) کیا۔ دوسری یہ کہ وہ ملت اسلامیہ کی وحدت سے متصادم نہ ہو۔ اس لیے کوئی ایسا تہوار یا مقامی ثقافت یا مقامی رواج جس سے ملت مسلمہ کی وحدت ختم ہو جائے، وہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت قرآن کریم کی نص قطعی کی رُو سے ضروریات دین میں سے ہے:

﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً﴾[1] "یاد رکھو، بلاشک وشبہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔"

قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ امت کی وحدت میں خلل نہ پڑنے پائے۔ لہٰذا کوئی مقامی ثقافت جو امت مسلمہ کی وحدت متاثر کرے، شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔ تیسری اور اہم چیز یہ ہے کہ جس چیز کو ثقافت کہتے ہیں، اس کا تعلق عقائد، عبادات اور ان معاملات سے نہ ہو جن کے بارے میں شریعت نے واضح ہدایات دی ہیں۔ شریعت نے جن چیزوں کی تعلیم دی ہے، وہ چار ہیں:

۱۔ کچھ وہ ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ عقائد میں کوئی مقامی یا غیر مقامی ثقافت قابل قبول نہیں ہے۔ عقیدہ وہی قابل قبول ہے جو قرآن پاک اور سنت میں ہے۔

۲۔ عبادات ہیں۔ عبادات میں کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔ صرف وہ عبادت قابل قبول ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کی ہر قسم بالکل بدعت ہے۔ اس میں کوئی تامل کی بات نہیں ہے۔ ہر وہ عبادت جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں دی یا جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے نہیں ملتی، وہ عبادت، عبادت نہیں ہے۔ یہ دو چیزیں جن کے بارے میں اسلام بہت حساس ہے، اس میں کوئی External element داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اضافے کی اجازت نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ میرا تو اللہ کے آگے جھکنے کو بڑا

---

[1]۔ الانبیاء:92

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

جی چاہتا ہے۔ دو سجدوں سے تشفی نہیں ہوتی، میں دس دس سجدے کیا کروں گا۔ اگر ایسا کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، قابل قبول نہیں ہو گی۔(1)

تیسری چیز ہے معاملات اور لین دین۔ لین دین میں شریعت نے جو احکام دیے ہیں، عمومی احکام ہیں، عمومی ہدایات ہیں۔ تفصیلات انسانوں پر چھوڑ دی ہیں۔ لیکن اگر مقامی ثقافت کا تعلق معاملات سے ہے تو وہ شریعت کی ان حدود کے اندر ہونی چاہیے۔ جن معاملات کی تعلیم شریعت نے دی ہے، اس کے اندر وہ مقامی ثقافت ہو، اس کے باہر نہ ہو۔ مثال کے طور پر شریعت نے کہا ہے کہ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر نہ خریدو۔

﴿لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾۔(2)

یہ قرآن پاک کی نص قطعی ہے، شریعت کا حکم ہے، لہٰذا کوئی ایسا مقامی رواج جس سے زبردستی کسی سے پیسہ نکالا جائے یا اس کے مال وجائداد کو ہتھیا لیا جائے، جائز نہیں ہے۔ لیکن بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں زبردستی یا کسی شخص کی مرضی کے خلاف اس سے پیسے یا رقم لی جاتی ہے تو یہ شریعت میں جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ ۔(3)

"کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لیے جائز نہیں، سوائے اس کے وہ اپنی خوشی سے، باہمی رضامندی اور طیب نفس سے دے رہا ہو۔"

اپنی پوری خوشی کے ساتھ دے رہا ہو تو وہ جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ اب یہ یقین کرنا کہ کہاں خوشی سے دے رہا ہے، کہاں مجبوری میں دے رہا ہے، یہ اس میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا کوئی ایسا رواج جس میں زبردستی کسی کی رقم ہتھیا لی جائے، یہ شریعت کے خلاف ہے۔

۴۔ چوتھی چیز عادات ہے۔ عادات میں شریعت میں بہت آزادی ہے۔ کھلا چھوڑا ہے۔ ہر قوم کی عادات ورواج ہوتے ہیں۔ کسی کے یہاں چادر اوڑھنے کا رواج ہے، کسی کے ہاں تہ بند باندھنے کا رواج ہے، کسی کے ہاں چارپائی پر سونے کا رواج ہے، کسی کے ہاں فرش پر سونے کا رواج ہے، کسی کے پاس کوئی کھانا مروّج ہے، کسی کے پاس کوئی کھانا مروّج ہے۔ کوئی چاول کھاتا ہے، کوئی کدو کھاتا ہے۔ یہ سب عادات ہیں۔ مختلف قوموں کی عادات ہیں جن کا تعلق جغرافیے سے، تاریخ سے، مقامی حالات سے، اقتصادی وسائل سے ہوتا ہے۔ اس میں شریعت نے بالکل آزادی دی ہے کہ اگر کوئی چیز شریعت کی نص قطعی کے خلاف نہیں ہے تو آپ جو جی چاہے کریں، آپ کو کھلی آزادی ہے کہ اسے اختیار کریں۔ مقامی ثقافت اور عادات کے باب میں اس کی کھلی گنجائش ہے۔

یہ وہ بنیادی ہدایات اور اصول ہیں جو شریعت نے سیر وسیاحت کے بارے میں دیے ہیں۔ ان حدود کے اندر جو سیر وسیاحت یا تہوار ہو گا، وہ منانا جائز ہو گا۔ سیر وسیاحت سے مراد وہ سرگرمی ہے جو وقتاً فوقتاً انسان انفرادی طور پر کرتا ہے۔ آپ آؤٹنگ

---

1. منیر، سراج، ملت اسلامیہ تہذیب و تقدیر، مکتبہ دانیال، لاہور، 1997ء، ص:155
2. النساء :29
3. احمد بن حنبل ،امام، مسند، دار السلام للطبع والنشر، الریاض، 1999ء،حدیث 20971

(outing) کے لیے چلے گئے، پکنک (Picnic) کے لیے چلے گئے۔ یہ سیر و سیاحت ہے۔ دوستوں کی دعوت کرلی، مہمانوں کو بلالیا، یہ چیزیں سیر وسیاحت ہیں۔ تہوار سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔

پہلے سیر و سیاحت کو دیکھ لیں۔ سیر و سیاحت کے بارے میں شریعت نے جو ہدایات دی ہیں، پہلے ان کے بارے میں وہ تین ہدایات سامنے رکھیں جو میں نے ابھی بتائی ہیں۔ ان ہدایات کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل کیا تھا تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیر و سیاحت کو مقاصد عالیہ سے ہم آہنگ کر لیا۔ اسلام کے جو مقاصد عالیہ ہیں، امت مسلمہ کے جو مقاصد عالیہ ہیں، ان کو اور سیر و سیاحت کو رسول اللہ ﷺ نے یکجا کر لیا۔

سیر وسیاحت کی تین عام شکلیں ہیں۔ لیکن بڑی بڑی شکلیں تین چار ہیں۔ سیر وسیاحت کی ایک شکل یہ ہے کہ لوگ سیر و سیر و سیاحت کے لیے جاتے ہیں۔ کسی اور ملک میں سیر و سیاحت کے لیے چلے گئے، شہر کے کسی مقام پر چلے گئے، شہر والے گاؤں کی سیر و سیاحت کے لیے چلے گئے، گاؤں والے شہر میں گئے، ریگستان گئے، پہاڑوں پر گئے، دریا یا سمندر کے کنارے گئے۔ یہ ایک عام سیر و سیاحت ہے جو ہر شہری کرتا ہے اور ہر انسان کا جی چاہتا ہے کہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر سیر و سیر و سیاحت کرے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید نے کیا کہا؟ اسلام یہ کہتا ہے کہ جب سیر وسیاحت کے لیے جاؤ تو: ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾[1] جب جاؤ تو ہر چیز کو عبرت کی نظر سے دیکھو۔ یہ دیکھو کہ پچھلی اقوام کا عروج وزوال کیسے ہوا۔ جو قومیں مٹ گئیں، ان کے آثار باقی ہیں۔ ان کے آثار محض تاریخی چیز کے طور پر نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ ان کو زوال کیوں ہوا؟ ان کی غلطیاں کیا تھیں؟ ان کی کمزوریاں کیا تھیں؟ گویا تاریخ کو سیر سے وابستہ کر دیا کہ اس سیر کو تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ اسی نظریے کے ساتھ سیر کے لیے جاؤ، ہر جگہ جاؤ۔ بعض جگہ ایسے تاریخی اور عبرت انگیز مقام نہیں ہوتے تو مظاہر کائنات کو دیکھو۔ (الی الارض کیف سطحت)۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کیسے بچھایا۔ شہر میں آپ دیکھیں تو اس کو احساس نہیں ہو گا کہ الی الارض کیف سطحت۔ لیکن ریگستان میں کسی پہاڑ کے قریب جا کر دیکھیں تو وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ اللہ نے کیسے بچھایا۔ واقعی پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے بچھایا۔ الی الابل کیف خلقت۔ اور نہیں تو کسی جانور پر غور کرو کہ اللہ نے اسے کیسا پیدا کیا۔ اللہ کی حکمت کیا ہے۔ کسی بھی چیز پر غور کرنا شروع کر دیں۔

دوسری چیز جو سیر وسیاحت کے طور پر انسان کرتا ہے، وہ آپس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ہر انسان ایک مثبت چیز میں مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ شریعت نے تعلیم دی ہے کہ مقابلہ اچھی چیز ہے، لیکن مقابلہ کسی برائی میں نہ ہو، کسی منفی چیز میں نہ ہو، مقابلہ کسی تباہ کن چیز میں نہ ہو۔ مقابلہ کسی مثبت اور خیر کی چیز میں ہو: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[2]۔ خیر کے کاموں میں مقابلہ کرو، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص خطاط ہے۔ آپ اس سے بڑھ کر خطاط بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا قاری ہے، آپ اس سے بڑھ کر اچھا قاری بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا ماہر ریاضیات ہے، آپ اس سے بڑھ کر ماہر ریاضیات بننا چاہیں۔ ایک شخص اچھا معمار ہے، آپ اس سے اچھا معمار بننا چاہیں۔ جو چیزیں بھی مثبت ہیں، تعمیری ہیں، اس دنیا کے بارے میں ہوں یا آخرت کے بارے میں ہوں یا دین کے بارے میں ہوں، ان میں مقابلہ اچھی بات ہے۔ ایک بہن اچھی cook ہے، دوسری بہن اس سے اچھی cook بننا چاہتی ہیں۔ ایک بہن

---

1. النمل: ٦٩
2. المطففین:٢٦

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
Vol.03 No.01 (2025)

کو بریانی اچھی بنانی آتی ہے، دوسری بہن اس سے اچھی بریانی بنانا سیکھ لے۔ اس میں مقابلہ کرنے میں حرج نہیں، مقابلہ کرنا چاہیے۔ ہر اچھی، مثبت اور تعمیری سرگرمی میں صحت مندانہ مقابلہ، یہ قرآن مجید کی تعلیم کے بالکل مطابق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نوجوان صحابہ میں اس طرح کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ہر وقت دشمنوں کا خطرہ تھا، ہر وقت مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار رہنا پڑتا تھا۔ آٹھ سالوں میں 82 غزوات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلنا پڑا۔ اب اگر calculate کریں تو ہر ماہ یا ڈیڑھ ماہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو نکلنا پڑا۔ اسی طرح ایمر جنسی کی بھی کیفیت تھی اور یہ کیفیت تھی کہ رات کو اگر کہیں سے شور کی آواز آئے تو لوگ سمجھتے تھے کہ باہر سے کسی نے حملہ کر دیا ہے۔ آٹھ سال کا عرصہ تقریباً ہر لمحہ ایمر جنسی کا زمانہ رہا۔ اس لیے اس کی ضرورت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صحابہ کرامؓ کو جہاد کی تربیت دیں، چنانچہ نوجوانوں میں جب مقابلے ہوتے تھے تو تیر اندازی کے ہوتے تھے یا گھوڑ دوڑ کے ہوتے تھے یا اونٹ دوڑ کے ہوتے تھے یا تلوار بازی کے ہوتے تھے یا اسی طرح کے مردانہ مقابلے ہوتے تھے کہ جس میں کھیل بھی ہو، سیر و سیاحت بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیتنے والے کو انعام بھی دیا کرتے تھے کہ جو جیتے گا، اس کو انعام بھی دیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعمیری کاموں میں صحت مندانہ مقابلہ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش، یہ قرآن مجید کے مطابق بھی ہے، سنت کے مطابق بھی ہے اور رسول کریم ﷺ نے ان مقابلوں کا اہتمام کیا ہے۔(1)

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں اور قسم کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ کھانا پکانے کے، حساب سیکھنے کے یا اس زمانے کے گھریلو حساب سے ہوم اسٹڈی (Home study) یا ہوم اکنامکس (Home Economic) کہہ سکتے ہیں، وہ صحابیات میں رائج تھی اور وہ صحابیات سیکھتی تھیں۔ ایک دوسرے سے علم قرآن کا مقابلہ تو تھا ہی۔ علم حدیث کا مقابلہ بھی تھا، لیکن اس زمانے کے لحاظ سے جو خالص دنیوی علوم کی چیزیں تھیں جیسے کھانا پکانا یا سینا، ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا سلسلہ تھا۔

ایک تیسری چیز ہوتی ہے، کھیل کود۔ حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادوں نے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیں۔ ہم باہر پکنک کے لیے جا رہے ہیں، اپنے بھائی کو بھی ساتھ لے لیں۔ یرتع ویلعب (سورۃ یوسف:۱۲) ہمارے ساتھ کھیلے کودے اور جنگل میں کھائے پیے۔ حضرت یعقوبؑ نے اجازت دے دی۔ قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اصول ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی جو شریعت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اور اس کی منسوخی کی کوئی ہدایت یا Indication نہیں ہے، وہ ہمارے لیے شریعت ہے۔ یہ قرآن کا اصول ہے۔ ہر وہ حکم جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے قرآن پاک میں یا سنت میں اور صرف قرآن و سنت میں آیا ہے، اس کی یہ حیثیت ہے۔ قرآن مجید میں اور سنت میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بارے میں جو فرمودات نقل ہوئے ہیں، اگر وہ فرمودات کسی منسوخی کی ہدایت کے ساتھ نہیں ہیں تو وہ ہماری شریعت کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (2)

"ہم نے یہودیوں پر فرض کیا تھا تورات میں کہ نفس کے بدلے نفس، جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ۔"

1۔ ندوی، ابوالحسن علی، تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1986ء، ص:23

2۔ المائدۃ:45

یہ بعینہ ہمارے لیے حکم ہے، حالانکہ تورات کے حوالے سے قرآن مجید میں آیا ہے، لیکن چونکہ منسوخ نہیں آئی، اس لیے ہمارے لیے حکم ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سنت ایک پیغمبر کی سنت ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو کھیل کود کی اجازت دے دی۔ اس لیے کہ بارہ تیرہ سال کی عمر میں ایک خاص اسٹیج ہوتا ہے جس میں زیادہ فلسفہ آپ ان کے دماغ پر لاد نہیں سکتے۔ یہ بھی غلط ہوتا ہے۔ بعض ماں باپ چھ یا سات سال کا بچہ ہے، اس کے دماغ میں ٹھونس رہے ہیں کہ آپ کو کیا بننا ہے۔ یہ بچے کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس کو کھیلنے دیں۔ کھیل کود سے جسمانی طور پر اس کی صحت میں اضافہ ہوگا۔ یہ چیز انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس میں بچے کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے جتنی تربیت دی جاسکتی ہے، اتنی تربیت آپ دیں۔ بچیوں کی تربیت اور انداز کی ہوگی، لڑکوں کی اور انداز کی ہوگی۔ یہ ہر ماں باپ اپنے طور پر طے کرلیں۔ اپنے بچوں کے لحاظ سے طے کریں کہ ان کے بچے کا بیک گراؤنڈ کیا ہے، ان کا پس منظر کیا ہے، ان کے ذہن میں بچے کے مستقبل کے بارے میں کیا آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اور اس کے حساب سے بچے کو تیار کریں۔ یہ تین تفریحیں ہیں جن کو اسلام نے اپنے تمام مقاصد سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ان تفریحوں پر آپ بقیہ تمام تفریحوں کو قیاس کرسکتے ہیں۔ سیر و سیاحت کی جو بھی شکل آپ ایجاد کریں یا جو بھی قوم ایجاد کرے، وہ انہی حدود کی پابند اور اسی نقشے کے مطابق ہو۔

خلاصہ بحث:

اسلامی شریعت نے سیر وسیاحت کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے دو تہوار فراہم کیے ہیں۔ اسلام نے سیر و سیاحت کو اخلاقی اور دینی حدود کا پابند قرار دیا ہے، سیر وسیاحت کے وہ آداب دیے ہیں جو انسانوں کی فلاح اور بہبود کے ضامن ہوں۔ سیر وسیاحت میں ان حدود سے تجاوز کرنے سے منع کیا ہے جو دینی اعتبار سے، اخلاقی اعتبار سے، معاشرتی اعتبار سے، معاشی اعتبار سے، کسی بھی اعتبار سے انسانوں کے لیے نقصان دہ ہوں۔ جو تہوار دوسری قوموں میں رائج ہیں، وہ سارے کے سارے ایسی بنیادوں پر استوار ہیں جو ملت مسلمہ کی عالمگیریت کے خلاف ہیں یا عقیدۂ توحید کے خلاف ہیں، اسی لیے اسلام نے ان تہواروں کو قبول نہیں کیا۔ ان سے یا عالمگیریت متاثر ہوتی ہے یا عقیدۂ توحید متاثر ہوتا ہے، اس لیے ایسے تہوار دیے ہیں جن سے عقیدۂ توحید بھی بدرجہ اتم مکمل رہتا ہے اور عالمگیریت بھی بدرجہ اتم emphasize ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان غیر اسلامی تہواروں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے بہن بھائیوں کو سمجھانا چاہیے کہ جب وہ خوشی منائیں تو شریعت کے حدود کے اندر منائیں، جب کسی سیر وسیاحت کا بندوبست کریں تو شریعت کے حدود کے مطابق کریں۔ اس میں دنیا کی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی ہے۔

اقدامات اور آئندہ کیلئے لائحہ عمل:

1. پیش کردہ موضوع کو سامنے رکھ کر حکام اور عوام کے لیے چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔
2. اسلامی تہذیب وشریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے سیر وسیاحت اور کھیلوں کو ترقی دینے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔
3. سیر وسیاحت اور کھیلیں کسی بھی قوم کے لیے تعمیری کردار ادا کرتی ہیں اس لیے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کی سطح پر اس کا خصوصی اہتمام کیا جائے باقاعدہ نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
4. کھیلوں کے لیے یونین کونسل، ڈسٹرکٹ کی سطح پر کھیل کے میدان بنائے جائیں تفریحی مقامات پارکس وغیرہ کے لیے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

باقاعدہ منظم انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ قانون سازی کی جائے۔

5. کھیلوں کے اداروں میں جو سفارشی کلچر پروان چڑھ رہا ہے اس کے خاتمہ کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں کہ Tallent نکھر کر سامنے آئے اور کسی حوصلہ شکنی نہ ہو سکے۔
6. Tourists کے شعبہ کو موثر بنایا جائے اور تفریحی مقامات کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا جائے۔
7. یونیورسٹیز میں اس شعبہ کو زیادہ منظم بنایا جائے اور تعلیمی اداروں میں سٹڈی Tours کو یقینی بنایا جائے۔
8. حکومت کو چاہیے کہ شعبہ Tourism کو فعال بنانے کے لیے پرائیویٹ پبلک پارٹنرشپ کی بنیاد پر معاشی معاونت مہیا کرے۔
9. سفر وسیلہ ظفر کے فارمولے کو Promote کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں Awareness کے پروگرامز ہونے چاہئیں۔